پروفیسر علی محسن صدیقی
شعبۂ تاریخ - کراچی یونیورسٹی

(مدرسہ نظامیہ بغداد) اور سلجوقی

۲۴۷ھ میں خلیفہ جعفر المتوکل علی اللہ کی شہادت خلافتِ عباسیہ کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور خلافت کا جسد بلند و بالا بتدریج تحلیل ہونے لگا۔ مرکزی حکومت کے ضعف سے فائدہ اٹھا کر بعض طالع آزماؤں نے سر اٹھایا اور ملک کے طول و عرض میں چھوٹی چھوٹی خودمختار امارتیں قائم ہونے لگیں۔ اس طوائف الملوکی کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ مرکز گریز قوتوں کے سر اٹھانے کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ رقابت، خانہ جنگی اور انتشار نے دنیائے اسلام کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ اس تباہی اور بربادی سے سرحدِ اسلام سے متصل غیر مسلم ریاستوں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ اور ثغور (سرحداتِ اسلامی) پر تاخت و تاراج کے سلسلے شروع کر دیے۔ جہاد کا جذبہ سرد پڑ گیا اور عسکری قوت ضعف و انحلال کی نذر ہو گئی۔ یاس، محرومی اور قنوطیت کے گہرے بادل فضائے اسلامی پر چھا گئے اور بظاہر یہ خیال کیا جانے لگا کہ یہ مریضِ جاں بلب کوئی دم کا مہمان ہے کہ اسلامی مشرق سے سلجوقی ترکوں کا آفتابِ تاباں طلوع ہوا۔

سلطنتِ سلاجقہ کے بانی طغرل بیگ محمد نے ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی جس میں اسلامی عملداری کے اکثر حصے شامل تھے اور یوں ملک میں سیاسی استحکام پیدا ہوا۔ طغرل کا جانشین اس کا شہرۂ آفاق بھتیجا الپ ارسلان ہوا۔ الپ ارسلان اسلام کی عظمت کی شمشیر براں اور اس کا پشت پناہ تھا۔ اس نے اپنے ولولہ انگیز مجاہدانہ کارناموں سے اسلام کے دشمنوں کی صفوں میں کھلبلی مچا دی۔ قیصرِ روم کے سرِ پُر غرور کو اس کے حضور جھکنا پڑا۔ فتوحات کے علاوہ علم پروری اور علما نوازی میں الپ ارسلان سرآمدِ روزگار تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس نے بھی جہاد کی روح کو مضمحل نہ ہونے دیا، بلکہ اسے اور توانائی بخشی۔ اسی طرح علم و فن کی ترقی میں بھی وہ اپنے اسلاف کی روش کا پیرو رہا۔ اور اگر

اگر یہ کہا جائے کہ ملک شاہ نے جہاد بالسیف و جہاد بالقلم کو جاری و ساری رکھنے میں اپنے اب و جد کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تو مبالغہ نہ ہوگا۔

الپ ارسلان اور ملک شاہ کے عہد ہائے حکومت کی بلند عمارت جس شخص کے حسن تدبیر سے تعمیر ہوئی اور جس شخص کے قلمدانِ وزارت نے اس عمارت کو مختلف النوع نقش و نگار سے آراستہ کیا وہ ان کا وزیر بزرگ نظام الملک طوسی تھا۔ طوس کے اس دہقان زادہ کی قسمت میں کشورِ علم و فن کی سربراہی اور اہلِ علم و فن کی سرپرستی لکھی ہوئی تھی۔ ہم اس نابغۂ عصر اور یکتائے روزگار شخص کے حالات زندگی کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے اور اپنی بحث کو صرف ان امور تک محدود رکھنا چاہتے ہیں جن کا تعلق معارف پروری اور قیام مدارس سے ہے۔

نظام الملک نے تعلیم کی توسیع و ترقی میں بڑی کوشش کی اور ممالکِ محروسہ میں متعدد درس گاہیں قائم کیں، مگر جس درس گاہ نے اسے شہرتِ دوام عطا کی وہ بغداد کی عظیم تعلیم گاہ تھی جو اسی کی نسبت سے نظامیہ کہلاتی ہے۔ وہ درس گاہیں جو بغداد کے نظامیہ سے قبل اور اس کے بعد سلطنت سلاجقہ کے دوسرے علاقوں میں قائم ہوئیں وہ گویا بغداد کی اسی درس گاہ سے ملحق تھیں۔ بالفاظِ دیگر نظامیۂ بغداد ایک یونیورسٹی (جامعہ) یا مرکزی ادارہ تھا اور سلطنتِ سلجوقیہ میں قائم کیے جانے والے دوسرے ادارے اس کے ملحقہ کالج۔

بروز سہ شنبہ یکم ذی القعدہ ۴۵۷ھ مطابق ۴ ار اکتوبر ۱۰۶۵ء کو شہر بغداد کے مشرقی حصے میں دریائے دجلہ کے کنارے ایک وسیع و عریض قطعۂ زمین پر مدرسہ کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ تعمیر کے نگران شیخ الشیوخ ابوسعید صوفی نیشاپوری تھے۔ دو سال تک تعمیر کا کام جاری رہا اور یکم ذی القعدہ ۴۵۹ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۱۰۶۷ء کو عمارت کی تعمیر مکمل ہوئی۔ عمارت کے صدر دروازے پر نظام الملک کا نام نقش کیا گیا۔ مدرسہ کے چاروں طرف بازار بنائے گئے اور حمام تعمیر کرائے گئے جس سے ایک طرف تو عمارت کے حسن میں اضافہ ہوا اور دوسری مدرسہ کے لیے مادی آمدنی کا بھی بندوبست ہو گیا۔ پوری تعمیر پر ساٹھ ہزار دینار کی لاگت آئی۔ عام اندازے کے مطابق یہ رقم آج کل کے بارہ لاکھ روپیے سے کم نہ ہوگی۔ اتنی خطیر رقم خرچ کرکے جو عمارت بنائی گئی ہو اس کی وسعت کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ اس زمانے میں تعمیری سامان کی قیمت اور معماروں کی اجرت

نسبتہً بہت کم تھی۔

روز شنبہ ۱۰ ذی القعدہ ۴۵۹ھ ۔ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۰۶۷ء کو نظامیہ کی رسم افتتاح انجام پائی اس موقع پر پورا شہر نئی عمارت میں اُمنڈ آیا۔ تقریب کا آغاز شیخ ابو اسحاق شیرازی کو کرنا تھا مگر وہ بعض شکوک کی بنا پر اس میں شریک نہ ہوئے تو شیخ ابو نصر بن صباغ نے مسندِ درس کو رونق بخشی اور یوں نظامیہ میں تدریس شروع ہوئی۔[۱۶]

نظامیہ کی انتظامی ساخت نہایت منظم اور باقاعدہ تھی۔ مستشرق لیوی نے "اے بغداد کرانیکل" میں اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ اسی نظام کو بعد میں یورپ کی جامعات نے اختیار کیا اور مغربی جامعات کی انتظامی ہیئت اسی کی نقل تھی۔[۱۷]

نظامیہ کے عہدہ داروں میں سب سے بڑا عہدہ دار متولی کہلاتا تھا۔ اسے جدید جامعات کا وائس چانسلر سمجھیے۔ دفتری نظام کا سربراہ بھی یہی تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ نظامیہ کے حدود میں قیام کرے۔ دفتری اور انتظامی امور کی انجام دہی اسی سے وابستہ تھی۔ دوسرا انتظامی افسر ناظر تھا۔ یہ نظامیہ سے متعلق جائیدادوں اور اوقاف کا نگران تھا۔ گویا ناظر افسر مالیات یا ہماری جامعات کا خازن تھا۔ یہ عہدہ بڑا اہم تھا اور اس پر بڑے اعتماد کے لوگوں کو مقرر کیا جاتا تھا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بعد میں خود بانیٔ نظامیہ کا پڑپوتا خواجہ ابو نصر متوفی ۵۶۱ھ اس عہدہ پر فائز ہوا تھا۔ ان دونوں افسروں کے دفاتر اور عملے کے افراد علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے۔

غیر تدریسی عملے میں مفتی کو اہمیت حاصل تھی جو دارالافتا کا سربراہ ہوتا تھا۔ اس دارالافتا سے عوام کو مسائل شرعیہ کے متعلق معلومات فراہم کی جاتی تھیں۔ دوسرا عہدہ دار جو غیر تدریسی ذمہ داریوں کو بھی انجام دیتا تھا واعظ تھا۔ کبھی کبھی نظامیہ کے شیوخ خود وعظ کرتے اور کبھی بغداد میں باہر سے آنے والے علما یہ خدمت انجام دیتے۔ ان مواعظ کی محفلوں میں طلبہ و اساتذہ کے علاوہ امرا، علما و عوام بھی شریک ہوتے تھے۔ یہ بات بڑے افسوس کے ساتھ لکھی جاتی ہے کہ یہ محافلِ وعظ کبھی کبھی مناظرے کی مجالس میں تبدیل ہوجاتی تھیں اور علما باہم دگر بحث و جدال پر اتر آتے تھے۔ ایسے مناظرے حنابلہ و اشاعرہ کے مابین ہوتے۔ ان مناظروں کی وجہ سے بلوے بھی ہوجاتے تھے۔ ایسا ہی ایک بلوہ ۴۶۸ھ میں شیعہ

ابونصر شافعی کی تقریر پہ اس وقت ہوا جب انھوں نے حنابلہ پر لعن طعن کیا، جس سے بگڑ کر انھوں نے کئی آدمیوں کو قتل کر دیا اور نظامیہ کے بازار کو آگ لگا دی۔ بہرکیف عموماً جمعہ اور دوسرے اہم موقعوں پر محافلِ تذکیر بپا کی جاتی تھیں۔ ان اہم مواقع میں سلاطین کی تخت نشینی اور ان کی وفات کے ایام بھی شامل ہوتے تھے۔

تدریسی عملے میں جو ترتیب قائم کی گئی تھی وہ آج کل کی جامعات سے کچھ مختلف نہ تھی نظامیہ کے تدریسی عملے میں اپنے عہد کے سرآمد روزگار علما و فضلا شامل تھے۔ یہاں کی مسندِ درس پر متمکن ہونا بڑی عزت کی بات سمجھی جاتی تھی۔ بڑے بڑے علما اس بات کے متمنی رہتے تھے کہ انھیں اس درس گاہ کی پروفیسری ملے۔ اساتذہ کے تقرر میں بڑا اہتمام کیا جاتا تھا اور نامور علما کو درس و تدریس کا منصب تفویض کیا جاتا تھا اور ان کی تقرری اس وقت تک مکمل نہ ہوتی تھی جب تک کہ خلیفہ اس کی منظوری نہ دے دیتا تھا۔ ایسی مثالیں نادرالوقوع نہیں ہیں کہ کسی عالم کی تقرری کی سفارش کی گئی مگر خلیفۂ وقت نے اس کی منظوری نہ دی اور وہ تقرر رو بہ عمل نہ آسکا۔

تدریسی عملے میں سب سے اعلیٰ مقام شیخ کو حاصل تھا۔ اسے پروفیسر سمجھیے۔ ہر فن کے شیوخ الگ الگ مقرر کیے جاتے تھے۔ تدریسی عملے میں دوسرا عہدہ نائب شیخ کا تھا۔ نائب بھی اپنے عہد کے نامور علما میں سے منتخب کیے جاتے تھے۔ امام محمد الغزالی جیسے نابغۂ عصر چار سال تک نظامیہ میں نائب شیخ ہی تھے۔ تیسرا تدریسی عہدہ معید کا تھا۔ اس کا فریضہ یہ تھا کہ شیخ یا نائب شیخ کے لیکچروں کو تدریس کے بعد طلبہ کے سامنے پڑھے اور اگر ضرورت ہو تو اس کی تشریح کرے۔ ہر شیخ یا نائب شیخ کے ساتھ ایسے دو یا دو سے زاید معید ہوتے تھے۔ ہم انھیں ٹیوٹر کہہ سکتے ہیں۔[۵]

نظامیہ کے لیکچروں میں طلبہ کے علاوہ باہر کے لوگ بھی شریک ہوتے تھے۔ اس کا پتہ اندلسی سیاح ابن جبیر کے ایک مندرجہ سے چلتا ہے جس نے اپنی سیاحت کے دوران یہاں کے ایک لیکچر میں شرکت کی تھی۔ یہ لیکچر نماز ظہر کے بعد شروع ہوا اور نماز مغرب تک جاری رہا۔ ان لیکچروں میں طلبہ خاموش تماشائی نہ ہوتے تھے بلکہ وہ استاد سے تحریری یا زبانی سوالات بھی کرتے۔ یہاں کا

طریقِ تدریس بھی عہدِ حاضر کی جامعات سے مختلف نہ تھا۔ نظامیہ کے اساتذہ لکچر روم میں ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر لکچر دیتے تھے اور طلبہ تپائیوں پر بیٹھے ہوتے تھے۔ اس طرح استاد کے لیے ایک مخصوص لباس ہوتا تھا جو سیاہ طیلسان اور عمامے پر مشتمل ہوتا تھا۔ اور اسے اسی لباس میں درس دینا ہوتا تھا[۹]

ابن اثیر کے ایک مندرجہ کی بنا پر جس سے بہ ظاہر ہوتا ہے کہ اساتذہ کے تقرر کے سلسلے میں خلیفہ کی آخری منظوری ضروری تھی اور یہ منظوری نہ ملنے کی صورت میں تقرر منسوخ کر دیا تھا۔ پروفیسر ہٹی نے یہ استدلال کیا ہے کہ نظامیہ حکومت کے کنٹرول میں تھا[۱۰] جہاں تک اس ادارے کی مالی کفالت کا تعلق ہے، یہ خلفائے عباسیہ کی تحویل میں نہ تھا۔ اور یہی حال اس کے انتظامی امور کے انصرام کا بھی تھا۔ مگر تدریس سے متعلق معاملات میں خلفا ضرور دلچسپی لیتے تھے، اس لیے پروفیسر موصوف کا یہ قیاس درست نہیں ہے۔ دراصل جو ادارہ براہِ راست خلفائے عباسیہ کے کنٹرول میں تھا اور جس کے تمام امور کی انجام دہی ان کے ذمہ تھی، وہ بعد میں قائم ہونے والا مدرسہ مستنصریہ تھا۔

نظامیہ کی تاسیس کے ساتھ ہی ایک وسیع کتب خانہ بھی قائم کیا گیا تھا جس میں ہر علم و فن کی کتابیں لا کر جمع کی گئی تھیں۔ اسے خزانۃ الکتب کہتے تھے اور اس کے افسر کو خازن۔ اس منصب پر بھی اپنے عہد کے مشاہیر مقرر کیے جاتے تھے۔ اس کتب خانے میں کتابوں کا برابر اضافہ کیا جاتا رہا، چنانچہ اسی طرح کا ایک اضافہ ۵۸۹ھ میں خلیفہ ناصر لدین اللہ عباسی کے عہد میں ہوا جبکہ قصرِ خلافت سے نادر کتابوں کی ایک بڑی تعداد نظامیہ لائی گئی[۱۲]

نصابِ تعلیم کا جہاں تک تعلق ہے یہ درس گاہ ایک خالص دینی اور ادبی تعلیم گاہ تھی۔ یہاں قرآن، تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، فرائض اور اشعری علمِ کلام کے علاوہ عربی زبان و ادب، نحو و لغت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ علمِ مناظرہ جس نے فرقہ بندیوں کے زور کے باعث ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی تھی اس کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ ان مضامین کے شیوخ اور دیگر اساتذہ الگ الگ مقرر کیے جاتے تھے۔ گویا ہر مضمون ایک شعبہ

تھا جس کے مخصوص اساتذہ ہوتے تھے۔

تدریس کے اعلیٰ معیار کے ساتھ ساتھ نظامیہ پہلی درس گاہ تھی جس میں طلبہ کی مادی ضروریات اور آسائش کا معقول بندوبست کیا گیا تھا۔ ہر طالب علم کو وظیفہ دیا جاتا تھا اور اس کے قیام و طعام و کتب کی ذمہ داری درس گاہ کی انتظامیہ پر تھی۔ قیام کے لیے عمارت میں وسیع دارالاقامہ اور طعام کے لیے مطبخ موجود تھے[۱۳]۔

نظامیہ کے مصارف کے لیے سرکاری امداد یا ارباب خیر کی فیاضیوں اور چندوں پر اعتماد نہیں کیا گیا تھا، بلکہ متعدد بازار، حمام اور زرعی جاگیریں اس کے لیے وقف تھیں۔ ان کا انصرام ناظر اوقاف کرتا تھا۔ یہ گویا مستقل آمدنی تھی۔ اس کے علاوہ نظام الملک کی ذاتی املاک کی آمدنی سے دس فیصد اور سلاجقہ کے خزانے سے دو لاکھ دینار سالانہ کی رقم جو تعلیمی اخراجات کے لیے وقف تھی، ان میں سے بھی نظامیہ کو حصۂ رسدی ملتا تھا۔ نظامیہ کا سالانہ خرچ پندرہ ہزار دینار تھا۔ اگر ہم ایک دینار کو ایک پونڈ کے مساوی سمجھیں تو یہ رقم دو لاکھ روپے کے لگ بھگ ہوگی۔ اخراجات کی اس کثیر رقم سے نظامیہ کی وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے[۱۴]۔

اگرچہ نظامیۂ بغداد سے پہلے نظام الملک نے اسی نام کے کئی مدارس قائم کیے تھے مگر اپنے قیام کے بعد بغداد کے مدرسہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی اور دوسری درس گاہیں اس کے ماتحت اداروں کی صورت اختیار کر گئیں۔ اس لیے یہ دعویٰ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ نظامیۂ بغداد صرف تدریسی جامعہ نہ تھی بلکہ ایک الحاقی یونیورسٹی بھی تھی۔ گویا مملکت سلاجقہ میں قائم ہونے والے تمام تعلیمی ادارے بغداد کی اسی درس گاہ کے ماتحت تھے۔ ان ملحقہ اداروں میں سے چند مشہور درس گاہیں یہ ہیں:

(۱) نظامیۂ نیشاپور: سلاجقہ کے اوائل عہد میں نیشاپور کو پایۂ تخت کی حیثیت حاصل تھی، اس لیے یہاں خواجہ نظام الملک نے امام الحرمین کے حجاز سے واپس آنے پر ان کے اعزاز میں یہ درس گاہ قائم کی۔ وہ تیس سال تک یہاں مسند درس پر متمکن رہے۔ نیشاپور کی یہ درس گاہ بغداد کے بعد دوسری تمام درس گاہوں سے بڑی تھی۔ اس کی عمارت بھی نہایت شاندار تھی۔ امام غزالی اور شمس الاسلام کیا ہراسی جیسے علما نے یہیں تعلیم پائی تھی۔ یہاں کے شیوخ میں امام الحرمین عبدالملک

الجوینی متوفی ۴۷۸ھ کے علاوہ امام غزالی بھی شامل ہیں۔

۲۔ نظامیہ اصفہان: اصفہان کو ملک شاہ نے اپنا مستقر حکومت بنایا تھا۔ یہاں بھی نظام الملک نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جو اہمیت میں نیشاپور کے بعد آتا تھا۔ اس کے ائمہ میں محمد بن ابی بکر خجندی متوفی ۴۸۲ھ اور فخر الدین ابوالمعالی متوفی ۵۵۹ھ مشہور ہیں۔

۳۔ نظامیہ مرو: مرو کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ عہد اموی میں خراسان کا مرکز یہی شہر تھا۔ عباسی دعوت کا بھی مرکز مرو ہی تھا۔ طغرل بیگ کے بھائی چغری بیگ داؤد کا پایہ تخت یہی شہر تھا۔ چغری بیگ کے بعد اس کا بیٹا الپ ارسلاں مرو ہی کا حاکم تھا۔ یہیں نظام الملک نے اس کی ملازمت اختیار کی تھی۔ گویا خواجہ بزرگ کی بلند اقبالی کا نقطہ آغاز بھی مرو ہی تھا۔ اخیر اخیر میں سنجر سلجوقی کا دار الحکومت بھی یہی تھا۔ یہاں کا مدرسہ بھی بڑا مشہور تھا اور اس کے اساتذہ میں ابوالفتح اسعد بن محمد کو خاصی شہرت حاصل ہے

۴۔ نظامیہ موصل: موصل کا شہر جزیرہ عراق و ایران کی شاہراہوں کا نقطہ اتصال ہے۔ نظام الملک نے یہاں بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کے شیوخ میں احمد بن نصیر انباری متوفی ۵۹۸ھ اور ابوحامد محمد بن کمال الدین شہرزوری متوفی ۵۸۶ھ مشہور ہیں۔

۵۔ نظامیہ آمل: طبرستان کا مشہور شہر آمل بھی نظام الملک کی فیاضیوں سے محروم نہ رہا اور یہاں بھی ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ اس کے اساتذہ میں ہبۃ اللہ بن سعد رویانی متوفی ۵۴۷ھ کو خاص امتیاز حاصل ہے۔

۶۔ نظامیہ بصرہ: بصرہ عہد اسلامی میں علم و فن کا مرکز تھا۔ یہاں بھی نظامیہ نام کا ایک مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ اس کی عمارت وسعت میں بغداد کے نظامیہ سے بھی بڑی تھی۔ یہ مدرسہ مزار حضرت زبیر بن العوامؓ کے متصل تھا۔ آخری عباسی خلیفہ المستعصم باللہ کے عہد میں یہ مدرسہ برباد ہوا۔ اس میں محمد بن قیان انباری متوفی ۵۰۳ھ عرصہ تک مدرس رہے۔

۷۔ نظامیہ ہرات: اس مدرسہ کے مشہور اساتذہ میں محمد بن علی بن حامد فقیہ متوطن غزنی تھے۔ انھوں نے ۴۹۵ھ میں وفات پائی۔

۸۔ نظامیہ بلخ۔ نظامیہ بلخ کے اساتذہ میں عبداللہ بن طاہر اسفرائنی متوفی ۴۸۸ھ اور عمر بن احمد ابوالحفص طالقانی متوفی ۵۳۶ھ کو امتیاز حاصل ہے۔

۹۔ **نظامیۂ طوس:** طوس نظام الملک کا وطن تھا وہ بھلا کیسے اس کی علمی فیاضیوں سے محروم رہتا۔ چنانچہ اس نے یہاں بھی ایک درس گاہ قائم کی تھی۔

۱۰۔ **نظامیۂ جزیرہ ابن عمر:** جزیرہ ابن عمر جیسے غیر اہم اور چھوٹے مقام پر بھی نظامیہ کی شاخ موجود تھی۔ جن فضلائے وقت نے مختلف اوقات میں جامعہ نظامیہ کی مسندِ درس کو زینت بخشی ان میں چند ممتاز نام یہ ہیں:-

۱۔ **شیخ ابو اسحاق شیرازی:** ابراہیم بن علی بن یوسف جو ابو اسحٰق شیرازی کے نام سے مشہور ہیں، فارس کے شہر فیروز آباد میں ۳۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی نشوونما شیراز میں ہوئی۔ اسی لیے شیرازی کہلاتے ہیں۔ فقہ، اصولِ فقہ اور دیگر علوم دینیہ میں ایسی مہارت بہم پہنچائی کہ شیخ الاسلام کہلائے۔ جمادی الاخریٰ ۴۷۶ھ میں وفات پائی۔ فقہ میں التنبیہ والمہذب، لمع و شرح لمع اصولِ فقہ میں اور کتاب النکت اختلاف مذاہب میں ان سے یادگار ہیں۔[۱۷]

۲۔ **شیخ ابو نصر بن صباغ:** عبد السید بن محمد جو ابو نصر بن صباغ کے نام سے متعارف ہیں۔ ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۷۷ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ زہد و ورع میں سرآمدِ روزگار تھے کتاب الشامل اور کتاب الکامل ان کی تصانیف سے ہیں۔ ابتداً بیس روز تک نظامیہ میں تدریس کی خدمت انجام دی اور بعد ازاں شیخ ابو اسحاق شیرازی کے بعد مستقلاً ایک سال تک یہاں کے مدرس رہے۔[۱۸]

۳۔ **شیخ ابو سعد:** عبد الرحمان بن مامون بن علی کی کنیت ابو سعد ہے ۴۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ حدیث و فقہ کی تعلیم متعدد شیوخ سے حاصل کی۔ نظامیہ میں اصول فقہ کا درس ایک عرصہ تک دیتے رہے۔ نہایت فصیح و فاضل تھے۔ شب جمعہ ۱۸ شوال ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔ بغداد کے مقبرۂ باب ابرز میں دفن کیے گئے۔[۱۹]

۴۔ **شیخ ابو القاسم دبوسی:** علی بن ابی یعلیٰ علوی حسینی معروف بہ ابو القاسم دبوسی، سمرقند و بخارا کے درمیان واقع شہر دبوسہ میں پیدا ہوئے۔ حسب الطلب ۴۷۸ھ میں بغداد آئے اور نظامیۂ کی مسندِ درس کو رونق بخشی۔ ۴۸۲ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ حدیث، فقہ، اصول فقہ، لغت و نحو کے امام تھے۔ مگر ان کی شہرت فقہ و جدلیات (مناظرے) کے ماہر کی حیثیت سے زیادہ ہے۔[۲۰]

۵۔ **شیخ عبد الوہاب بن محمد شیرازی:** قاضی ابو محمد عبد الوہاب فن حدیث کے امام تھے۔ فقہ میں بھی

بلند پایہ عالم تھے۔ ۴۸۳ھ میں نظامیہ کے مدرس ہوئے اور ایک عرصہ تک تدریس میں مصروف رہے۔ رمضان ۵۰۰ھ میں وفات پائی۔[۲۱]

۶۔ شمس الاسلام کیاہراسی: ابوالحسن علی بن محمد کے لقب عماد الدین اور شمس الاسلام ہیں مگر مشہور ہیں کیاہراسی کے نام سے۔ نظامیہ نیشاپور کے طالبعلم اور امام الحرمین کے نہایت لائق شاگردوں میں تھے۔ انہیں غزالی ثانی کہاجاتا ہے جن کے یہ ہم سبق تھے۔ محدث، فقیہہ اور اصولی تھے۔ نظامیہ کے اساتذہ میں تھے۔ ۵۰۴ھ میں وفات پائی اور اپنے استاد شیخ ابواسحاق شیرازی کے پہلو میں بغداد کے مقبرہ باب ایرز میں پیوند خاک ہوئے۔[۲۲]

۷۔ حجۃ الاسلام امام غزالی: حجۃ الاسلام، حجۃ الدین امام ابوحامد محمد بن محمد بن احمد غزالی ۴۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوئے اور یہیں ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔ امام الحرمین کے شاگرد اور نظامیہ نیشاپور کے منتہی تھے۔ نظام الملک کی درخواست پر ۴۸۴ تا ۴۸۸ھ نظامیہ میں درس دیا۔ پھر بیت المقدس اور شام کے سفر پر نکل گئے۔[۲۳]

۸۔ شیخ ابوالحسن فصیحی: ابوالحسن علی بن ابی زید محمد نحوی استرآباد کے رہنے والے تھے۔ شیخ عبدالقاہر جرجانی سے علم نحو کی تکمیل کی۔ نحو میں ان کی کتاب الجمل الصغرای مشہور ہے۔ نحو کے امام تھے اور ایک عرصے تک نظامیہ میں نحو کا درس دیتے رہے۔ خوش نویسی و خطاطی کے بھی ماہر تھے۔ ۱۳ ذی الحجہ ۵۱۶ھ میں بغداد میں وفات پائی۔[۲۴]

۹۔ شیخ ابوبکر خجندی: محمد بن عبداللطیف ابن محمد بن ثابت ابوبکر خجندی فن حدیث و مناظرے کے ماہر تھے۔ تقریر کا ملکہ راسخہ رکھتے تھے۔ نظامیہ کی مسند درس و وعظ پر متمکن رہے۔ ۵۵۲ھ میں وفات پائی۔[۲۵]

۱۰۔ شیخ ابوالنجیب سہروردی: شیخ عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی کی کنیت ابوالنجیب ہے محدث و فقیہہ تھے۔ ۴۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۶۳ھ میں وفات پائی۔ نظامیہ کی کرسی درس کو انھوں نے بھی زینت دی۔ بادۂ تصوف سے سرشار تھے۔ اخیر عمر میں اپنا ذاتی مدرسہ اور رباط (سرائے) تعمیر کی تھی۔ اس مدرسہ میں وفات تک درس دیتے رہے اور یہیں سپرد خاک ہوئے۔[۲۶]

جن ناموروں نے مختلف اوقات میں اس چشمۂ علم وعرفان سے فیض پایا۔ ان کی تعداد چھ ہزار

سے اوپر رہے۔ ان طلبہ میں ہزاروں مشہور اور معروفِ زمانہ ہوئے ہیں۔ ان میں فارسی زبان کے مشہور شاعر و نثر نگار شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی اور مراکش و اندلس میں موحدوں کی حکومت قائم کرنے والے روحانی پیشوا ابو عبداللہ محمد بن تومرت معموری بھی شامل ہیں۔[۳۵]

نظامیۂ بغداد سلاجقہ کے زوال اور خلافتِ عباسیہ کے سقوط کے بعد بھی قائم رہا۔ جب ۷۹۵ھ مطابق ۱۳۹۳ء میں امیر تیمور لنگ نے بغداد پر قبضہ کیا تو بھی جامعہ نظامیہ موجود تھا۔ اس واقعہ کے دو سال بعد ۷۹۷ھ مطابق ۱۳۹۵ء میں اس جامعہ کو مستنصریہ کی درس گاہ میں ضم کر دیا گیا۔ اس طور سے تین سو اڑتیس سال تک قائم رہنے کے بعد نظامیہ کی عظیم تعلیم گاہ وقت کے بے رحم ہاتھوں سے آغوشِ فنا میں چلی گئی۔

حواشی

سلہ دسواں عباسی خلیفہ جعفر بن معتصم اپنے بھائی واثق کی وفات پر ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں المتوکل علی اللہ کے لقب سے مسند نشین خلافت ہوا۔ ۴ شوال ۲۴۷ھ کو شب میں ترک امرا اور ولی عہد سلطنت منتصر کی سازش سے شہید ہوا اور اسی کے ساتھ با اختیار خلفا کا دور ختم ہو گیا۔ (ابوالفدا۔ المختصر فی اخبار البشر۔ ج ۲، ص ۳۷-۴۱، مطبوعہ حسینیہ مصر ۱۳۲۵ھ۔)

سلہ رکن الدین ابو طالب طغرل بن میکائیل بن سلجوق مستقلاً ۴۳۰ھ میں حکمران ہوا۔ چند ماہ اوپر چھبیس سال حکومت کی اور روز جمعہ ۸ رمضان ۴۵۵ھ کو انتقال کیا۔ مرو میں پیوندِ خاک ہوا۔ وہ شجاع، حلیم، کریم اور خدا ترس و منصف حکمران تھا۔ خاندان سلجوقیہ کی سلطنت کا بانی وہی ہے۔ (صدر الدین الحسینی۔ اخبار الدولۃ السلجوقیہ۔ صفحہ ۲۲، ۳۲، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی ۱۹۳۳ء)

سلہ عضد الدولہ ابو الشجاع محمد الپ ارسلان بن چغری بیگ داؤد اپنے باپ کے انتقال کے بعد ۴۵۲ھ میں مرو میں تخت نشین ہوا۔ جب ۴۵۵ھ میں اس کے چچا طغرل بیگ محمد نے وفات پائی تو الپ ارسلان دولتِ سلجوقیہ کا دوسرا سلطان ہوا۔ دس سال تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کی۔ ربیع الاول ۴۶۵ھ میں یوسف خوارزمی نامی ایک معمولی قلعہ دار کی چھری سے زخمی ہو کر شہید ہوا۔ (اخبار الدولۃ السلجوقیہ ص ۵۳ و ۵۴) (ابوالفدا، ج ۲ ص ۱۸۹) ابن الجوزی المنتظم ج ۸ ص ۲۷۶-۲۷۹ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۵۹ھ)

۴؎ جلال الدولہ، یمین امیر المومنین ابو الفتح ملک شاہ ۱۰ ربیع الاول ۴۶۵ھ کو اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے باپ الپ ارسلان کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد میں سلجوقی سلطنت نقطۂ عروج کو پہنچ گئی اور حدودِ چین سے اقصائے شام تک اس کا خطبہ پڑھا گیا۔ بیس سال کے قریب حکومت کرکے ۱۵ شوال ۴۸۵ھ میں انتقال کیا۔ اصفہان میں سپرد خاک ہوا۔ اور اس کے ساتھ خاندان سلجوق کی عظمت بھی دفن ہو گئی (ابو الفداء ۲: ۲۰۳-
اخبار الدولۃ السلجوقیہ ص ۷۱، المنتظم ۹: ۷۰)۔

۵؎ حسن بن علی بن اسحاق بن عباس طوس کے ایک قصبے نوقان میں ۴۰۸ھ میں پیدا ہوا۔ آبائی پیشہ کھیتی باڑی اور باغبانی تھا۔ حسن نے علوم مروجہ کی تعلیم طوس کے علاوہ نیشاپور اور بخارا میں حاصل کی۔ حصول علم کے بعد فکر معاش میں غزنین آیا اور کچھ دنوں دفتر انشا میں منشی رہا پھر بلخ گیا جہاں کے سلجوقی گورنر ابو علی احمد بن شاذان کا سیکرٹری ہوا مگر یہ ملازمت اس کے حق میں بڑی تکلیف دہ ثابت ہوئی۔ ابو علی سخت گیر اور ظالم تھا۔ اس کے سخت رویہ سے عاجز آکر حسن نے مرو کی راہ لی جہاں طغرل کا بھائی چغری بیگ سریر آرائے سلطنت تھا۔ یہاں اس کے جوہر کھلے۔ چغری بیگ نے اسے ولی عہد سلطنت الپ ارسلان کا پرائیویٹ سکریٹری مقرر کیا۔ الپ ارسلان کی تخت نشینی پر کہ اس کے حسن تدبیر کی رہین منت تھی، حسن ۴۵۶ھ میں مملکت سلجوقیہ کا وزیر اعظم ہوا۔ نظام الملک اتابک، خواجہ بزرگ اور رضی امیر المومنین کے خطابات سے نوازا گیا۔ الپ ارسلان کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے کا وزیر اعظم بھی یہی رہا تا آنکہ ۴۸۵ھ میں ایک باطنی ابو طاہر حارث کے زخم خنجر سے شہید ہوا۔

نظام الملک، عالم، ادیب، انشا پرداز اور مصنف تھا۔ سیاست نامہ، کہ دولت سلجوقیہ کا دستور اور امور جہاں بانی کی مستند ترین دستاویز ہے، اس کی وسعت معلومات اور انشا پردازی پر شاہد عدل ہے۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے ملک کے طول و عرض میں مدارس قائم کیے۔ علما کے وظائف مقرر کیے اور طلبہ کے تعلیمی اخراجات کے انتظامات کیے۔ ساتھ ہی ساتھ امور سلطنت کی گتھیاں سلجھانے میں اور معاملات ملکی کے نظم و نسق میں بھی اسے مہارت حاصل تھی۔ اس کی شہادت دولتِ سلجوقیہ کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اخیر عمر میں ملک شاہ سے اس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے۔ اسی زمانے میں اس نے ملک شاہ کو اپنا وہ پیغام دیا تھا جو آج تک مشہور ہے کہ سلطان سے جا کر کہہ دو کہ میرا قلمدان تیرے تاج سے وابستہ ہے۔ اگر یہ قلمدان نہ رہا تو تاج شاہی بھی نہ رہے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی (اخبار الدولۃ السلجوقیہ ص ۶۶-۷۱؛ المنتظم ۹: ۶۴-۶۸؛ ابو الفداء ۲: ۲۰۲؛ تاج الدین سبکی طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۳، ص ۱۳۵ وما بعد، مطبوعہ حسینیہ مصر ۱۳۲۴ھ)

۶ المنتظم ۸: ۲۳۸، ۲۴۶ و ۲۴۷؛ اخبار الدولۃ السلجوقیہ ص ۶۸؛ ابوالفدا ۲: ۱۸۵ و ۱۸۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۱۰: ۲۰، ۲۲، مطبوعہ ازہریہ، مصر ۱۳۰۲ھ (شیخ ابواسحاق کو یہ باور کرایا گیا تھا کہ جس زمین پر نظامیہ کی تعمیر ہوئی تھی وہ غصب کردہ تھی۔ جب ان کی باقاعدہ تشفی کرادی گئی تو بیس۲۰ روز کے بعد انھوں نے تدریس کا کام شروع کیا)

۷ اے بغداد کرانیکل۔ مطبوعہ کیمبرج ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۹۳۔

۸ آر۔ اے نکلسن، لٹریری ہسٹری آف دی عربس، کیمبرج ۱۹۶۹ء ص ۲۷۶؛ پی کے ہٹی، ہسٹری آف دی عربس، نیویارک ۱۹۵۸ء ص ۴۱۰-۴۱۲؛ مقالات شبلی، اعظم گڑھ ۱۹۵۵ء ج ۳ ص ۴۰، ۴۱، شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء ج ۴ ص ۱۲۳ و ۱۲۴۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۳ء ص ۵۲۱ و ۵۲۲۔

۹ سفرنامہ ابن جبیر ترجمہ اردو حافظ احمد علی شوق رامپوری، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۹ء ص ۱۷۸ و ۱۷۹۔

۱۰ ابن اثیر ۱۰: ۱۲۳ (لیڈن ۱۸۶۷ء)، ہٹی ص ۴۱۰۔

۱۱ ابوالعباس احمد بن مستضیٔ باللہ عباسی ۵۵۳ھ میں پیدا ہوا۔ ۵۷۵ھ میں خلیفہ ہوا اور ۴۷ سال حکومت کرکے ۶۲۲ھ میں فوت ہوا۔ وہ بخیل، سخت گیر اور ظالم تھا۔ مگر انتظامِ حکومت کی قابلیت رکھتا تھا۔ خلافتِ عباسیہ کو اس نے استحکام بخشا اور اپنے حریفوں کو کامیابی سے زیر کیا (سبط ابن الجوزی، مرآۃ الزمان، مطبوعہ حیدرآباد (دکن) ۱۳۷۰ھ ج ۸ ق ۲، ص ۶۳۵، ابوالفداء ۳: ۱۳۵، ۱۳۶)

۱۲ مرآۃ الزمان ج ۸ ق ۱، ص ۴۲۱، ۴۲۲ (ان کتابوں کی تعداد دس ہزار تھی جن میں نادر مخطوطات بھی تھے)

۱۳ بحوالہ سابق شمارہ نمبر ۶، ۷ و ۸۔

۱۴ مقالات شبلی ۳: ۱۲ بحوالہ آثار البلاد قزوینی (ذکر طوس) والروضتین فی تاریخ الدولتین۔

۱۵ چغری بیگ داؤد، میکائیل بن سلجوق کا بیٹا اور طغرل بیگ محمد کا بھائی تھا۔ غزنویوں کے مقابلے میں اس نے بڑی جرأت اور فوجی صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ مرو اور اس کے متعلقات کا خود مختار حکمران تھا۔ ۴۵۲ھ کے دوسرے مہینے میں انتقال کیا۔ الپ ارسلان اس کا بیٹا تھا۔ وہی اس کا جانشین ہوا۔ چغری بیگ کی عمر انتقال کے وقت ستر سال تھی۔ (اخبار الدولۃ السلجوقیہ، ص ۲۹)

۱۶ سنجر بن ملک شاہ بن الپ ارسلان رجب ۴۷۹ھ میں پیدا ہوا۔ وہ بیس سال تک اپنے بھائی

محمد کا نائب اور اکتالیس سال تک مستقلاً حکمران رہا۔ کل مدت حکومت ساٹھ سال سے اوپر ہے۔ وہ اپنے خاندان کا آخری باعظمت سلطان تھا۔ ۵۴۸ھ میں ترکان غز سے شکست کھا کر تین سال تک ان کی قید میں رہا۔ جب ۵۵۱ھ میں وہاں سے بھاگ کر مرو آیا تو حکومت منتشر ہو چکی تھی۔ ان منتشر اجزا کو جمع کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا کہ ۵۵۲ھ میں پیام اجل آپہنچا۔ مرو میں اپنے خاندانی مقبرہ میں دفن ہوا (المنتظم ۱۰؍۱۷۸)۔

۱۷؎ المنتظم ج ۹ ص ۷؛ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۳ ص ۸۸ ومابعد

۱۸؎ ایضاً ج ۹ ص ۱۲، ایضاً ج ۳ ص ۲۳۰، ۲۳۱۔

۱۹؎ ایضاً ج ۹ ص ۱۸۔ ۲۰؎ ایضاً ج ۹ ص ۱۸۔

۲۱؎ ایضاً ج ۹ ص ۱۵۲۔ ۲۲؎ ایضاً ج ۹ ص ۱۶۷۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۴ ۲۸۱، ۲۸۲۔

۲۳؎ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۴: ۱۰۱ - ۱۰۵۔

۲۴؎ ابن خلکان۔ وفیات الاعیان، مطبعۃ النہضۃ المصریہ ۱۹۴۸ء ج ۳، ص ۲۴۔

۲۵؎ المنتظم ج ۱۰ ص ۱۷۹۔ ۲۶؎ ایضاً ج ۱۰ ص ۳۲۵۔

۲۷؎ پی کے ہٹی، ہسٹری آف دی عربس ص ۴۱۱۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۳۴۔

تاریخِ جمہوریت : از شاہد حسین رزاقی

موجودہ زمانے میں جمہوریت کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے اور اس نے ایک ترقی یافتہ نظریۂ حیات کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہ کتاب قبائلی معاشروں اور یونان قدیم سے لے کر عہدِ انقلاب اور دورِ حاضر تک جمہوریت کی مکمل تاریخ ہے، جس میں جمہوریت کی نوعیت و ارتقا، سلطق العنانی اور جمہوریت کی طویل کشمکش مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو نہایت واضح اور عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے بی اے آنرس کے نصاب میں داخل رہی ہے۔

صفحات : ۵۰۶ - قیمت : ۸/- روپے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور